© rasailojaraid.com

ادب پر معاشرے کے اثرات

یاسمین سلطانہ

ادب معاشرے کا تہذیبی جزو ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تہذیبی جزو معاشرے کو کس طرح متاثر کرتا ہے۔ یہ جاننے کی لیے سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ادب کسے کہتے ہیں؟ اور معاشرہ کیا ہے؟ اور کیسے وجود میں آتا ہے؟ ادب اور ادیب کے حوالے سے ڈاکٹر شاہ علی کا کہنا ہے کہ اگر ادیب انسان ہے اور ماحول سے متاثر۔ اور ادب نگاری ایک قسم کا معاشرتی عمل اور اس سے انسانیت کا اثر انداز ہونا لازمی ہے تو ادب اور انسانیت کے مقاصد ایک ہیں۔[1] ادب کو کبھی زندگی کی تنقید بتایا گیا ہے، کبھی زندگی کی تمجید، کسی نے زندگی کا پھل پھول کہا تو کسی نے فکریاتی عمارت کی اوپری کاریگریاں، لیکن کسی اچھی بات کا دلکش انداز میں بیان کر دینا خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں، ادب ہے۔ یہ اچھائی اور دلکشی دونوں ادب کے اہم ترین اجزا ہیں۔ خالی اچھائی بھی ادب نہیں وعظ ہے یا پروپگینڈا اور تنہا دلکشی بھی قبول نہیں کیونکہ اس میں مضرت کے بے شمار پہلو نکل آتے ہیں۔[2] جس ادب سے ہمارا ذوق صحیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ملے، ہم میں قوت اور حرکت نہ پیدا ہو، ہمارا جذبہ حسن نہ جاگے، جو ہم میں سچا ارادہ اور مشکلات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتح پانے کے لیے سچا استقلال پیدا نہ کرے اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔[۳]

ادب کو زندگی کا اظہار کہا گیا ہے کیونکہ ادب کا موضوع انسان ہے۔ ادب انسان کا مطالعہ مختلف حالات میں پیش کرتا ہے۔ انسان کے احساسات و جذبات، اس کے افکار و نظریات، اس کے اعمال و عادات، مختلف حالات و حادثات میں اس کی شخصیت پر ہونے والے اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ اس کے ظاہری حرکات و سکنات، گفتگو اور رویے کے ساتھ ساتھ اس کے باطن میں بھی جھانکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی ذہنی تحریکات اور قلبی واردات کو منعکس کرتا ہے۔ اس کی اصلاح فلاح اور اس کی بقاء و تحفظ اور ترقی و تحسین کے لیے فکر مند بھی ہوتا ہے اور کوشاں بھی۔[۴] ادب چوں کہ معاشرے میں جنم لیتا ہے اس لیے یہ معاشرے میں رہنے بسنے والے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے کسی ادب پارے کا مطالعہ زندگی اور معاشرے کے پس منظر میں ہی ممکن ہے۔ ادب کو معاشرہ یا انسانی زندگی سے کاٹ کر دیکھا اور سمجھا نہیں جا سکتا۔ ادب نہ صرف موجودہ حقائق کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ ان حقائق پر تنقید و تجزیہ بھی پیش کرتا ہے۔ ادب زندگی کی نہ صرف تفسیر پیش کرتا ہے بلکہ اس کی تعمیر نو بھی کرتا ہے۔

ادیب نہ صرف زندگی کا عکاس ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی کے حقائق کا ادراک رکھتا ہے۔ ادیب بھی معاشرے میں پیدا ہوتا ہے اور معاشرے ہی میں اس کی نشو ونما اور ذہنی اور اخلاقی تربیت ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف معاشرے کے بناؤ سنگھار اور تمدن کے ارتقاء میں اپنا عملی کردار ادا کرتا ہے بلکہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری جو روز الست سے اسے ودیعت کی گئی ہے۔ یہ ذمہ داری اتنی اہم ہے کہ اگر یہ ایسے صحیح طور پر نبھائے تو ''تلمیذ الرحمٰن'' کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور اگر اس کا غلط استعمال کرے تو ''ھم الغاوون'' بن جاتا ہے۔[۵]

معاشرے کی تشکیل میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، جن میں بعض جغرافیائی عوامل ہیں، بعض تاریخی، نسلی اور دینی، لیکن ان مختلف رشتوں کو ایک نظام میں منسلک کرنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فریضہ ادیب انجام دیتا ہے- معاشرہ ایک ایسا تجربہ ہے جس میں ہر شخص ایک دوسرے سے جڑا ہے اور جب لاکھوں کروڑوں افراد مل کر ایک تجرید کو وجود میں لائیں تو اسے ''معاشرہ'' کا نام ملتا ہے- مگر معاشرہ صرف فرد کے باہمی رشتوں کا نام نہیں ہے، بلکہ معاشرہ زندگی گزارنے کے آداب کا اعلامیہ ہے- وہ خیر، پاکیزگیِ نفس اور اجتماعی مسرت کے نصب العین کو ہمہ وقت اپنے پیش نظر رکھتا ہے اور اپنے مذہبی اور تہذیبی تناظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے اصول وضوابط تشکیل دیتا ہے جو اس کے اجتماعی مفاد میں ہوں اور ایسے قوانین وضع کرتا ہے جو اس کے نظام کو پارہ پارہ ہونے سے بچا سکیں- معاشرے کے دو رخ ہمیں نظر آتے ہیں ایک وہ جو فرد کو معاشرے کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے سے روکتا ہے اور دوسرا رخ فرد کے اعماق میں پوشیدہ ہے- وہ اس کی ذات کے باطن کو بے نقاب کرتا ہے-[6]

انسان کے معاشرتی رشتے کا پہلا عمل وہ ''الفاظ'' ہیں جو وہ ادا کرتا ہے- اس لیے زبان کو انسان کی سب سے اہم معاشرتی سرگرمی کہا گیا ہے- اور چونکہ ادب کا تعلق لفظوں کی ترتیب سے ہے اس لیے خود ادب بھی بنیادی طور پر معاشرتی عمل ہے اور یہی اس کا پہلا رشتہ ہے- اسی رشتے کی وجہ سے ادب انسان کے معاشرتی رشتوں کا سب سے اہم مظہر بن کر قوم کی روح کے اظہار کا سب سے بڑا وسیلہ بن جاتا ہے- انسانی زندگی اور معاشرے میں چونکہ لفظ کی بنیادی اہمیت ہے چنانچہ وہ معاشرے جن کے ہاں اچھے اور صحت مند ادب کی تخلیق بند ہو جاتی ہے- وہ زوال پذیر ہو کر کسی دوسرے معاشرے میں جذب ہو جاتے ہیں- ادب معاشرتی زندگی کی ترقی میں سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے- ادب کسی بھی معاشرے کے ظاہر و باطن، خارجی و داخلی بنیادوں کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے- اس کے ذریعے معاشرے کی روح، اس کے آرزوئیں، اس کا احساسِ جمال، خیر وشر کے تصورات، اس کے تجربے اور مشاہدے، اس کا کرب اور اضطراب، حقیقت اور فریب سب حسن و جمال کے ساتھ ظاہر ہو کر سامنے آ جاتے ہیں- اس لیے ادب معاشرتی عمل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ معاشرے کی تدریجی ترقی اور وقتی انحطاط کے ساتھ ادب بھی ترقی اور انحطاط کی منزلیں طے کرتا اور نظام معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ رہتا ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ادب ایک معاشرتی عمل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک معاشرہ اور اس کے افراد ادب کی سطح پر ایک دوسرے کے تجربوں میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس شرکت سے وہ اس نئے شعور سے آشنا ہوتے ہیں جو اب تک ان کے اندر خفتہ تھا۔ ادب کا بنیادی معاشرتی عمل یہ ہے کہ وہ ادراک کی غیر معمولی قوت کے ذریعے ہماری ہستی کو بیدار کر کے اسے عام شعور کا حصہ بنا دیتا ہے۔ اگر ادب نہ ہوتا اور سعدی، حافظ، مولانا روم نہ ہوتے یا میر، غالب، اقبال، شیکسپیئر، دانتے اور گوئٹے وغیرہ نہ ہوتے تو انسان آج بھی ایک معصوم بچے کی طرح ہوتا۔ ادب کے ذریعے ہی ہم اور ہمارا معاشرہ بلوغت کے درجے پر پہنچا ہے۔ حقیقت یہ ہے ہم ہر عہد کے ادب کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو اس زمانے کے معاشرتی ماحول اور معاشرتی کیفیت کا پرتو دیکھیں گے۔ جن ادیبوں نے زندگی کے حقائق سے بھاگ کر ''ادب برائے ادب'' کے مفروضے کی آڑ میں پناہ لینا چاہی ان میں سے بھی اکثر غیر ارادی طور پر اپنے زمانے کے معاشرتی ہیجان کی آواز بازگشت ہو کر رہ گئے ہیں خصوصاً ایسے زمانے میں جب معاشرے کا ڈھانچا بدلنے والا ہو اور زندگی میں ایک ہلچل اور کشمکش ہو تو اس انقلاب کا عکس اور اس زمانے کے معاشرتی محرکات اور میلانات کا پرتو ہمیں اس کے ادب میں نہایت صاف اور گہرا نظر آتا ہے۔ کسی معاشرتی ہیجان کے انقلاب کا اثر شاعروں اور ادیبوں پر عموماً چار صورتوں میں ہوتا ہے۔

پہلی صورت میں ادیب اور شاعر مٹنے والے معاشرے سے محبت رکھنے کے باوجود زندگی میں آنے والے انقلاب اور معاشرتی تبدیلیوں سے نبرد آزما ہونے کی ہمت نہیں کر پاتے اور وہ اپنی زندگی ان غموں میں گزار دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں ادیب آنے والی معاشرتی تبدیلیوں سے گھبرا کر یہ چاہتے ہیں کہ پرانا معاشرہ تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ باقی رہ جائے۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادیب اصلاح دوستی کے پردے میں قدامت پسندی اور رجعت پروری کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتے ہیں- تیسری صورت میں ادیب، ماضی، حال اور مستقبل سب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے خیالی دنیا بنا لیتے ہیں- یہ لوگ ''فراری'' کہلاتے ہیں اور ''ادب برائے ادب'' کے مفروضے کی آڑ لے کر مسائل حیات سے بھاگتے ہیں اور تخیل کی تخلیق کرتے ہیں- چوتھی صورت میں اہلِ قلم، معاشرے کی ان قوتوں کا صحیح اندازہ لگا لیتے ہیں جو ایک نئی دنیا تعمیر کرتی ہیں- یہ وہ ادیب ہیں جنہوں نے بوسیدہ معاشرے کو ڈھا کر نئے معاشرے کی تعمیر میں حصہ لیا ہے-[8]

دراصل برعظیم کے ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ میں مسلمانوں کا جو عہد ہے اس میں نصف سے زیادہ انحطاط و زوال کا زمانہ ہے لیکن اس انحطاط و زوال میں بھی جو ادیب پیدا ہوئے انہوں نے اس زوال و انحطاط پر صرف مرثیہ خوانی ہی نہیں کی، اپنے معاشرے کو سدھارنے اور اس کو عروج سے ہمکنار کرنے کے خواب بھی دیکھے- مرزا مظہرؔ جانِ جاناں، میر تقی میرؔ، حضرت خواجہ میر دردؔ، غالبؔ، مومنؔ، سرسید، حالیؔ، اکبرؔ اور اقبالؔ نے ہمارے معاشرے میں ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کی حیثیت سے نہ صرف شعر و ادب بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کیے ہیں-

ان سب نے ہمارے جذبات کی تہذیب بھی کی، ذہن و فکر کے دریچے بھی کھولے، وادیٔ خیال کو مستانہ طے بھی کیا، اپنی انفرادی اور اجتماعی پامالی اور زبوں حالی پر خون کے آنسو بھی بہائے، جہاد کی تمنا بھی کی، آمدِ سحر کے خواب بھی دیکھے- خودی کا درس بھی دیا اور انقلاب کے قدموں کی آہٹ خود بھی سنی اور دوسروں کو بھی سنائی-

کسی شاعر و ادیب نے کھلم کھلا یہ بات کہی اور کسی نے اشاروں کنایوں میں- چند اشعار ملاحظہ کریں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں
آشنا اپنا بھی واں، اک سبزۂ بیگانہ تھا

(درد)

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تخت و تاج کا

(میر)

گاؤں بھی ہم کو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے
آئے ہیں ہم سخت پرآشوب صحرا دیکھ کر

(شیفتہ)

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

(غالب)

مری جاں فدا تری راہ میں
دعا ہو یہ مقبول درگاہ میں

(مومن)

یہ آوازیں حضرت خواجہ میر درد، میر تقی میر، غالب، شیفتہ اور مومن کی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کے یہ اشعار ذہن وفکر سے معمور ہیں اور ان میں ایک للکار کا آہنگ بھی ہے جو ہمارے قومی وملی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ انیسویں صدی کے دورِ آخر میں مسلم معاشرے کو سرسید کی ذہنی، فکری اور عملی کاوشیں حاصل ہوئیں۔ اس زمانے میں ادیب اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے معاشرے اور ادب دنوں کی دنیا ہی بدل دی۔ یہ عمل بیسویں صدی تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری رہا اور اس کے نتیجے میں ادیبوں نے معاشرے کو بہت کچھ دیا- آزادی کی جنگ میں انہوں نے اس طرح حصہ لیا کہ اپنی تحریروں سے انہوں نے جدوجہد کو تیز سے تیز تر کر دیا- ایک نئے نظام کے قیام کے خواب دیکھے- اس دور میں علامہ اقبال نے معاشرے کو انقلابی انداز سے بدلا اور اپنی ادبی تخلیقات میں ذہن وشعور اور فکر وفلسفہ سے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو ہماری ذہنی اور تہذیبی تاریخ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے-

علامہ اقبال کے ہم عصروں پر بھی اس کے اثرات ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے دائروں میں رہ کر معاشرے کو انقلابی کیفیات سے دوچار کیا- بیسویں صدی کا ادب اسی صورت حال سے پہچانا جاتا ہے- اس زمانے میں شاعری، افسانہ، ناول اور تنقید نگاری، تمام اصناف ادب میں یہی فضا نظر آتی ہے- حقیقت یہ ہے کہ اس اعتبار سے بیسویں صدی کا ادب ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے- اس زمانے میں ادیب نے معاشرے کو اور معاشرے نے ادیب کو جو کچھ دیا وہ ہماری تاریخ کا بلاشبہ سب سے بڑا سرمایہ ہے-[9] اُردو نثر میں ہندوستان کی پوری تہذیب چلتی پھرتی نظر آتی ہے- ابتدائی دور میں میر امن دہلوی، رجب علی بیگ سرور، عبدالحلیم شرر، نذیر احمد، راشد الخیری، نسیم حجازی کی تحریروں میں پوری ہندوستانی تہذیب اپنے تمام جزئیات کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے-

انیسویں صدی میں جو برعظیم کے مسلمانوں کے زوال کی صدی ثابت ہوئی، وہ مسلمان جو غیروں کو تائب کرنا جانتے تھے، وہ بے بس ومجبور دکھائی دیئے اور شعوری طور پر بے عملی کی زندگی گزارنے پر رضامند دکھائی دیتے ہیں- جہاں وہ فوق الفطرت عناصر کی غیبی امداد پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں- انگریز چونکہ مکمل طور پر قابض ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تہذیب تنزل پذیر تھی- یہ لوگ تخیل کی دنیا میں رہنا پسند کرتے تھے کیونکہ اس طرح ان کی مجروح روح کو تسکین حاصل ہوتی تھی اور ان کے جذبات واحساسات کی تکمیل ہوتی نظر آتی تھی- اُردو داستانیں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قسم کے ملے جلے جذبات و احساسات اور خواہشات کا مرقع ہیں- تقریباً ڈیڑھ سو سال کی تہذیب ہم ان داستانوں میں دیکھ سکتے ہیں-

۱۸۵۷ء کی سیاسی اور تہذیبی اثرات نے ہندوستانی معاشرے کو توہمات اور تصورات کی دنیا سے ہٹا کر حقیقت کی راہ پر لگایا- مغلیہ تہذیب دم توڑنے لگی- اس معاشرتی تبدیلی نے ادب کو بھی متاثر کیا- اب ادب میں ماورائی کہانیوں کی جگہ حقیقی داستانوں نے لے لی- ادب میں وہ تمام اخلاقی صفات کے کردار داخل ہو گئے جو قوم کو ترقی کی طرف لے جائیں اور جنہیں قوم کے اخلاق درست کرنے کے لیے استعمال میں لایا جانے لگا- ناولوں میں اس خصوصیت کو پیش کرنے اور اسے تکمیل تک پہنچانے میں نذیر احمد کو خاص مقام حاصل ہے- انہوں نے اصلاحی مقاصد کے ناول لکھے- خصوصاً ''فسانۂ مبتلا'' اور ''ایامیٰ'' ان کے معاشرتی ناول ہیں جس سے اس زمانے کی سیاسی اور مذہبی فضا کا عکس نظر آتا ہے- سرشار کے ناولوں میں معاشرے میں رائج تمام فرسودہ رسمیں، بری عادتیں اور معاشرتی برائیاں، نظم و نسق کی خرابیاں نظر آتی ہیں- شرر کے ناولوں میں قوم اسلام کے عظیم کارنامے بیان کیے گئے ہیں- جو اس بات کا گواہ ہیں کہ اس وقت کے مسلمان اسلام سے دور ہوتے جا رہے تھے- انھیں اپنے اسلاف کے بھولے ہوئے کارنامے یاد دلانے کی ضرورت تھی-

ناولوں میں طنز و مزاح کی بنیاد رکھنے والے سجاد حسین کے ناولوں میں انگریزی تہذیبی کو اپنانا قابل فخر سمجھا جانے کا رجحان نظر آتا ہے- رسوا اور سرفراز حسین عزمی نے اپنے ناولوں میں طوائف پرستی کا پردہ چاک کیا ہے جب کہ راشد الخیری کے ناولوں میں عورتوں کے استحصال اور ان میں اخلاقی کمزوریوں کو موضوع بنایا گیا ہے-

بدلتے ہوئے وقت اور حالات افسانے کی پیدائش کا سبب بنے- دیگر اصناف ادب کی طرح افسانوں اور ڈراموں پر بھی معاشرے نے اپنے اثرات ثبت کیے- پریم چند، سجاد حیدر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان حیدر جوش، راشد الخیری ابتدائی افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں برصغیر کا انحطاط پذیر معاشرے کا طرزِ عمل، حقوق حاصل کرنے کی آرزو، اس کی جدوجہد، فرنگیوں سے نفرت، ان کے مظالم کی داستانیں، سیاسی اور غیر سیاسی سرگرمیاں اور ان تمام تلخیوں کے باوجود سانس لیتی ہوئی رومانی داستانیں نظر آتی ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد ترقی پسند ادب کا آغاز ہوا۔ ترقی پسند ادیبوں نے معاشرے کے ان رستے ہوئے ناسوروں کو موضوع بنایا جس کی پردہ پوشی کی جاتی تھی۔ افسانوی مجموعہ ''انگارے'' کی کہانیوں میں ہندوستان کی مذہبی، سیاسی، معاشرتی زندگی اور اس زندگی سے وابستہ الجھنوں کی تصویر کشی کی گئی ہے لیکن جنسیت کی طرف خاص توجہ رہی ہے۔[۱۰]

بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں جدوجہد آزادی کا زور رہا، اس جدوجہد نے عوام کے ساتھ ساتھ ادیبوں کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ اس دور کے نظم ونثر میں یہ رجحان کارفرما نظر آتا ہے۔ ادب اور شعر کا معیار سیاسی مسلک کی صحت قرار دیا جانے لگا۔ شاعری سیاست کی نذر ہوگئی اور ادب کو سیاسی پروپیگنڈے کا آلۂ کار سمجھا جانے لگا۔ شاعری اور ادب میں سیاسی افادیت کو معاشرتی شعور کا نام دیا گیا۔[۱۱] چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عشق پر کردوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

(اختر شیرانی)

ناکے ناکے پہ ہے پولیس کا رج ہوچکی ہے گلی گلی تاراج
جیپ ہر موڑ سے گزرتی ہے ہر طرف فوج گشت کرتی ہے

(کیفی اعظمی)

سلاسل، تازیانے، بیڑیاں، پھانسی کے تختے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

(مجاز)

پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ

(اصغر سودائی)

شاعروں کی طرح ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کی تحریروں میں بھی سیاسی اتار چڑھاؤ کا عکس نظر آتا ہے۔ پریم چند کا ''گئودان'' جو اپنے دور کے مختلف اقتصادی اور سیاسی انقلابات کو پیش کرتا ہے۔عزیز احمد کا ''گریز'' جو پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی عہد کے سیاسی اور معاشی ماحول کا ایک منفرد ترجمان ہے۔

قیام پاکستان نے زندگی کی ہر دوسری چیز کی طرح ادب میں بھی انتشار پیدا کر دیا۔ ملک کی تقسیم کے بعد جو غیر معمولی حادثات رونما ہوئے انہوں نے زندگی کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ اس سے لازمی طور پر ادیبوں اور فنکاروں کے کام میں بھی انتشار پیدا ہوا اور کچھ عرصے تک یوں محسوس ہوا کہ جیسے نہ زندگی میں ہمواری اور استواری آئے گی اور نہ ادب اور ادیب اپنا منصب پورا کرنے کی طرف متوجہ ہو سکیں گے لیکن انتشار اور اضطراب، زندگی کے عارضی پہلو ہیں، یہ کم ہوا اور ادیبوں نے آہستہ آہستہ سوچنا اور لکھنا شروع کر دیا۔تقسیم کے فوراً بعد ایک نئے دور کے آغاز کے احساس کے ساتھ ہی ادب میں کچھ نئے موضوعات سامنے آئے۔ اب ادیب تاریخ کے روشن ابواب کے پس منظر میں ماضی کی بلند حوصلہ شخصیات کی کہانیاں سنا کر معاشرے کی نئی تشکیل کے لیے حوصلہ مندی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ آزادی کے بعد کے ناولوں میں ایک دور کے مٹنے اور تہذیب کے ختم ہونے کا بھرپور احساس ملتا ہے۔ ان ناولوں، افسانوں میں فسادات کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ وہ براہِ راست موضوع نہیں ہے بلکہ زندگی کی رفتار کا جزو بن کر انقلاب کا احساس دلاتا ہے۔ اس ضمن میں قرۃ العین حیدر کا ''میرے بھی صنم خانے''، عزیز احمد کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ایسی بلندی ایسی پستی'' اور احسن فاروقی کا ''شام اودھ'' قابل ذکر ہیں۔

حواشی

۱-ڈاکٹر شاہ علی: ''ادب اور تنقید'' مکتبہ اسلوب، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۹۷

۲-اسرار احمد سبزواری: ''فکر و نظر'' فروغ وادب اکیڈمی، گوجرانوالہ، ۱۹۹۱ء، ص ۷

۳-خلیق ابراہیم: ''ادب اور سماج'' مشمولہ ''ادبِ لطیف''، جنوری ۱۹۴۰ء، ص ۹

۴-ڈاکٹر ممتاز احمد خان: ''ادب اور ادبی رویہ'' دین و دانش پبلی کیشنز، پٹنہ، ۱۹۹۰ء، ص ۹۷

۵-پروفیسر محمد نواز طائر: ''ادیب اور معاشرہ'' مشمولہ ''مقالات کل پاکستان اہل قلم کانفرنس'' اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۹

۶-ڈاکٹر وزیر آغا: ''ادیب اور معاشرہ'' مشمولہ ''مقالات کل پاکستان اہل قلم کانفرنس''، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۲۰۶

۷-ڈاکٹر جمیل جالبی: ''ادب کا سماجی عمل'' مشمولہ ''قلم قبیلہ'' کوئٹہ، اپریل ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۱-۱۱۲

۸-خلیق ابراہیم: ''ادب اور سماج'' ص ۹-۱۰

۹-ڈاکٹر عبادت بریلوی: ''ادیب اور معاشرہ'' مشمولہ ''مقالات کل پاکستان اہل قلم کانفرنس'' اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۱۷۹-۱۸۱

۱۰-عزیز احمد: ''ترقی پسند ادب'' کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء، ص ۲۷

۱۱-ڈاکٹر معین الدین عقیل: ''تحریکِ آزادی اُردو کا حصہ'' انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۴۷۴

© rasailojaraid.com